اسلامی تعلیم حسن و احسان سے پُر اور حقائق و معارف پر مشتمل ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷/ اکتوبر ۱۹۷۷ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

گزشتہ خطبہ جمعہ میں مَیں نے دین اسلام کی چند خصوصیات کا ذکر کیا تھا اور مختصراً بتایا تھا کہ ان میں سے ہر خصوصیت کے متعلق آئندہ خطباتِ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ مَیں نسبتاً تفصیل سے کچھ کہوں گا۔

مَیں نے دین اسلام کی جو خصوصیات بیان کی تھیں ان میں پہلی خصوصیت یہ بتائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق اسلام نے ہمیں ایک کامل تعلیم دی ہے۔ ایک مکمل بیان خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق قرآن کریم ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق ہم بات یہاں سے شروع کریں گے کہ وہ ''اللہ'' ہے اور قرآن کریم کی اصطلاح میں ''اللہ'' اسم ذات ہے۔ قرآن کریم میں بیسیوں جگہ بلکہ شاید سینکڑوں جگہ آپ دیکھیں گے کہ ''اللہ'' وہ ہے جو عزیز ہے ''اللہ'' وہ ہے جو حکیم ہے۔ و علی ھذا القیاس۔ فرمایا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اللہ اَلْحَیُّ ہے۔ الْقَیُّوْمُ ہے۔ اَلْمَلِكُ ہے۔ الْقُدُّوْسُ ہے۔ السَّلٰمُ ہے۔ غرض بہت سی صفات ہیں جن سے ''اللہ'' متصف بتایا گیا ہے کہ اللہ یہ ہے اور اللہ کی یہ صفات ہیں۔

پس اللہ اسم ذات ہے اور اللہ ان تمام صفاتِ حسنہ کا موصوف ہے جو قرآن کریم میں

بیان کی گئی ہیں۔ جب ہم اللہ کہتے ہیں تو ہمارے یعنی قرآن کریم پڑھنے والوں کے ذہن میں وہ تمام صفات آجاتی ہیں جو اس کے لئے بطور وصف کے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے اور یہ ایک انتہائی بنیادی بات ہے کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے اور میرے کسی خطبہ میں بھی اس کا ذکر آیا تھا کہ ایمان کے جتنے اصول ہیں ان کا بنیادی اصل یہی ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اللہ ایک ہے۔ کلمہ طیبہ میں یہی اعلان ہے کہ اللہ ایک ہے اپنی ذات میں بھی اور اپنی صفات میں بھی۔ اس وقت میں اللہ کی ذات کی بات کروں گا۔ اللہ کی صفات کے بارہ میں انشاء اللہ اگلے کسی خطبہ میں بیان کروں گا۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ کوئی ذات اس کی ذات جیسی نہیں ہے۔ شرکت چار قسم کی ہوسکتی ہے لیکن سورۃ اخلاص میں ان چاروں قسم کی شرکت کی نفی کی گئی ہے یعنی کسی کا کسی کی ذات میں شریک ہونے کا انحصار چار باتوں پر ہے اور سورۃ اخلاص میں ہر بات کی نفی کی گئی ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اللہ ایک ہے۔ دو یا تین یا چار یا پچاس یا سو یا ہزار الٰہ نہیں۔ بت پرستوں نے اللہ کے بے شمار شریک بنا لئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت خانہ کعبہ میں کفار نے بہت سے بُت بٹھا رکھے تھے۔ غرض ایک تو یہ بُت پرست ہیں جنہوں نے اللہ کو ایک نہیں سمجھا اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے تین خدا بنالئے اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے ایک کو بھی نہیں مانا لیکن اسلام کہتا ہے اللہ ہے اور وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ عدد کے لحاظ سے وہ ایک ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے اللہ کا کوئی ہم پلّہ اور ہم مرتبہ نہیں ہے۔ واجب الوجوب ہونے میں ایسی چیز یا کوئی ایسا انسان یا جاندار یا فرشتہ یا جن یا جو مرضی کہہ لو غرض کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو واجب الوجوب ہو یعنی جس کا ہونا ضروری ہو۔ اللہ کے سوا ہر چیز اپنی ذات کے لحاظ سے ہلاک ہونے والی ہے اور کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (الرحمٰن: ۲۷) کے اعلان کے نیچے آتی ہے۔

پس مرتبۂ وجوب میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور اسی کے اندر آتا ہے محتاج الیہ ہونا اور اس میں بھی خدا تعالیٰ کا جو بے نیاز ہے کوئی شریک نہیں ہے یعنی خدا تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کسی

غیر کی احتیاج رکھتی ہے۔صرف خدا تعالیٰ ایک ایسی ہستی ہے جس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں اور ہر چیز خدا تعالیٰ کی احتیاج رکھتی ہے مگر خدا تعالیٰ مرتبہ وجوب میں اکیلا ہے اور اکیلا ہی اس خصوصیت کا حامل ہے اور اس میں منفرد اور یگانہ ہے۔ وہ صمد اور غنی ہے اسے کسی کی احتیاج نہیں، ہر دوسرے کو اس کی احتیاج ہے۔

تیسرا شریک خاندانی ہوا کرتا ہے۔ خاندان کے مختلف افراد ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ پس رشتے کے لحاظ سے اور حسب نسب کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ فرمایا لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ (الاخلاص:۴) نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس کا آگے کوئی بیٹا ہے وہ واجب الوجوب ہے وہ ازلی ہے وہ ابدی ہے اور اسے کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ باپ ہونا بھی احتیاج بتاتا ہے اور بیٹا پیدا کرنا بھی احتیاج ثابت کرتا ہے۔

چوتھے یہ کہ وہ اپنے کام کے لحاظ سے واحد لاشریک ہے اس کے فعل میں کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ باعتبار فعل بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق اسلام نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ایک ہے، اَحَدٌ ہے مرتبہٴ وجوب میں اور اس لحاظ سے کہ کسی کی اسے احتیاج نہیں اور ہر دوسرے کو اس کی احتیاج ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور نسبت کے لحاظ سے بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اپنے فعل کے لحاظ سے بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جب ہم صفاتِ باری کے بارے میں بات کریں گے تو یہ بات عیاں ہوجائے گی کہ جن صفات میں بظاہر انسان کی بعض صفات یا اس کے افعال کی خدا تعالیٰ کے افعال کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے وہ بھی حقیقی مشابہت نہیں ہے۔ ہر دو میں بنیادی فرق ہے لیکن وہ تو بعد کی بات ہے، اس وقت تو میں یہ بتا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق اسلامی تعلیم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا ایک ہے، کسی جہت اور کسی طور پر کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

پھر اسلام ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو تمام تعریفوں کی مستحق ہے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (الفاتحۃ:۲) اور اللہ وہ ذات ہے جو تمام صفات حسنہ سے متصف ہے فرمایا لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (طٰہٰ:۹) اور اللہ وہ ذات ہے جو تمام فیوض کا مبدا ہے فرمایا

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الاعراف:۱۵۷) کسی کی تعریف اس کی خوبی کی بنا پر کی جاتی ہے یا اس کے احسان کی بنا پر کی جاتی ہے۔ اللہ تمام صفات حسنہ اور اچھے اوصاف کا مالک ہے اور حقیقتاً وہی اس کا مستحق ہے۔ ان اوصاف کی کچھ جھلکیاں تشبیہی طور پر انسان کو بھی ملیں۔ بعض جگہ دوسروں میں بھی اس کا پرتو نظر آتا ہے لیکن حقیقی طور پر اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى کا سزاوار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور وہی سب تعریفوں کا مستحق ہے اور اسی طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک اور قدوس ہے۔ وہ تمام رذائل اور عیوب اور نقائص سے منزّہ ہے۔ اس کی تمام صفات اس کی ذات کے مناسب حال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جو عظمت اور جلال اور کبریائی ہے اس کے مناسب حال تمام صفات حسنہ اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس کی ذات اور صفات میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ ایک باریک فلسفیانہ مسئلہ ہے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ غرض خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ جس طرح وہ کامل ہے اسی طرح اس کی صفات بھی کامل ہیں اور جس طرح اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی شریک نہیں۔

پھر اسلام نے ہمیں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ میں یہ بتادوں کہ زمانہ کے متعلق جب ہم کوئی لفظ استعمال کرتے ہیں یا کوئی بات کرتے ہیں تو ہم اپنے قائم کردہ معیار کے مطابق بات کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ ازلی ابدی ہے اور وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ فرمایا يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن:۲۹) اللہ تعالیٰ پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوسکتی اور ایسے ہی ادنیٰ درجہ کا تعطل حواس بھی اس کے لئے جائز نہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب طلباء کلاس میں بیٹھے ہوتے ہیں تو اگر کسی طالب علم کا دماغ تھکا ہوا ہو یا وہ لاپرواہ ہو تو اگر ایک لمحہ کے لئے اس کی توجہ اپنے استاد کی باتیں سننے سے ہٹ جائے تو پھر اسے یہ پتہ نہیں لگتا کہ استاد کیا کہہ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ تعطل حواس کے نقص سے منزّہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات میں ایک لمحہ کے ہزارویں حصہ میں تعطل حواس نہیں پایا جاتا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی وقت تعطل حواس پیدا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی ہے وہ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ہے۔ وہ اپنی ذات سے زندہ ہے۔

وہ کامل حیات کا مالک ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے۔اس کے قیام میں بھی کمال پایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہستی نہیں جو اپنی ذات میں زندہ ہو اور اپنی ذات سے قائم رہ سکتی ہو۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خدا کی ذات بزرگ ومقدس ہے۔ضعف اور ناتوانی اس کی طرف منسوب ہی نہیں کی جاسکتی۔اس کی ساری صفات اپنے کمال پر پہنچی ہوئی ہیں۔اس کی ذات اور صفات میں تھوڑا سا ضعف اور نقصان بھی نہیں پایا جاتا۔

اسی طرح اسلام نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات غیر محدود ہے۔اس مضمون کا یہ حصہ ذرا دقیق ہے آپ اسے غور سے سنیں۔خدا آپ کو سمجھنے کی توفیق دے۔

کائنات محدود ہے یعنی خدا تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ تو محدود ہے۔محض انفرادی حیثیت ہی میں نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی یہ کائنات محدود ہے لیکن اس کائنات کا صانع یعنی خدا تعالیٰ غیر محدود ہے۔اس لئے جہاں اس کی صفات کے جلوے کائنات میں ظاہر ہوتے ہیں،قرآن کریم کی اصطلاح میں انہیں تشبیہی صفات کہا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی جو تنزیہی صفات ہیں وہ وراء الوراء مقام رکھتی ہیں۔ہم عاجز بندے اس کو سمجھ نہیں سکتے وہ ہماری عقل سے بالا ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے عرش کو مخلوق کہنا اور اس بحث میں پڑنا غلط ہے۔ عرش اس وراء الوراء مقام کا نام ہے جس میں خدا تعالیٰ کی تنزیہی صفات جلوہ گر ہوتی ہیں لیکن جہاں تک کائنات کا تعلق ہے اس میں انسان کوشش کرتا ہے اور سائنس اور تحقیق اور خداداد علم کے ذریعہ ترقی کرتا ہے۔انسان کی یہ ترقی خدا تعالیٰ کی تشبیہی صفات کے پرتَو کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔کائنات سے پرے خدا تعالیٰ کا جو بھی مقام ہے وہ انسانی عقل سے پرے ہے ہم اس کا تصور نہیں کرسکتے، مگر جہاں تک کائنات کا سوال ہے اس میں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النّور:۳۶) آسمان اور زمین میں کائنات کے ہر حصے میں خدا تعالیٰ ہی کا نور جلوہ گر ہے اور ہر مخلوق میں ہمیں خدا ہی کے چہرے کی چمک نظر آتی ہے۔اس کے بغیر سب تاریکی اور ظلمت ہے۔ہر چیز نور خدا تعالیٰ کی ذات سے ہی لیتی ہے۔

پس یہ جو کائنات ہے اور جو ماوراء کائنات ہے اس کا ہم ہلکا سا مبہم سا تصور ذہن میں لائیں تب ہمیں کچھ شعور حاصل ہوسکتا ہے۔اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کس معنی میں

غیر محدود ہے یہ ہمیں اسلام نے بتایا ہے کہ خدا کی ذات قطعی طور پر غیر محدود ہے اس کی حد بست نہیں کی جاسکتی۔ وہ کائنات کے ہر حصہ میں ہر وقت اسی طرح موجود ہے جس طرح وقتی طور پر ایکسرے کی شعاعیں انسان کے جسم کے بعض حصوں میں جہاں سورج کی روشنی نہیں کی جاسکتی وہاں موجود ہوتی ہیں۔

پس اصل نور جو ہے وہ خدا کا ہے۔ میں نے قرآن کریم میں لفظ ''نور'' پر بڑا غور کیا ہے۔نور خدا ہی کا ہے دوسری چیزوں کے لئے جب ہم نور کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو وہ مجازی معنے میں کرتے ہیں۔حقیقی معنے میں نور اللہ ہی کا ہے۔ مثلاً خدا کے نور میں اور ایکسرے کی شعاعوں میں غیر محدود فاصلے ہیں یعنی اتنی کثیف ہے ایکسرے کی شعاع خدا تعالیٰ کے نور کے مقابلے میں کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ سورج ہے اس کی روشنی اندر نہیں آرہی۔ اس کو دیواروں نے روک لیا ہے۔ ایکسرے کی شعاعیں ایک حد تک جسم کے اندر داخل بھی ہوگئیں اور بہت سی چیزیں جو دوسری روشنی کی شعاعوں کو روکتی ہیں وہ نہ رہیں لیکن خدا تعالیٰ کا نور ہر چیز میں سرایت بھی کر رہا ہے اور اس سے جدا بھی ہے۔ اس سے ایک اور بڑا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے اس کے متعلق میں آگے بیان کروں گا۔ پس اصل نور خدا کا نور ہے اور کائنات بھی اسی نور سے معمور ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ بلکہ اس ذرہ کا اربواں حصہ بھی اس سے خالی نہیں اور جو ماوراء کائنات ہے وہ بھی خدا کے نور سے معمور ہے۔

پس ایک لحاظ سے خدا تعالیٰ قریب ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور پھر فرمایا وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (قٓ:۱۷) اور بہت سی آیات ہیں جو بتاتی ہیں کہ خدا تعالیٰ انسان کے کتنا قریب ہے گویا خدا تعالیٰ کا جو نور ہے اس کا کائنات کے ہر ذرہ سے ایک پختہ تعلق ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ تعلق قائم نہ رہے اور جہاں وہ تعلق نہ رہے وہاں فنا آجاتی ہے۔ وہ چیز جو خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرے وہ قائم نہیں رہ سکتی۔ جب اس کائنات پر فنا آتی ہے چھوٹے پیمانے پر بھی اور بڑے پیمانے پر بھی تو وہ فنا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نور کا تعلق اس سے قطع کر لیتا ہے تب اس چیز پر فنا آجاتی ہے لیکن اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی رو سے انسان میں بھی خدا تعالیٰ اپنے نور کے

ساتھ موجود ہے۔ پس اس لحاظ سے انسان کے ساتھ اس کا بہت گہرا تعلق ہے پاکیزگی اور طہارت کے ذریعہ۔ اس کے باوجود انسان کی جو مادی ترکیب ہے اور اس کا جو مادی وجود ہے وہ اپنی ہیئت کے لحاظ سے خدا تعالیٰ کے نور سے اتنا دور ہے اور اتنے فاصلے پر ہے کہ اس کو پھلانگنا نہ انسان کی کسی طاقت کا کام ہے اور نہ اس کی عقل کا کام ہے، آپس میں بہت زیادہ بُعد ہے۔ قرب ہے تو ایسا کہ کوئی ذرہ بھی خدا کے نور سے خالی نہیں کیونکہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور بُعد ہے تو اتنا کہ انسان کی کیا مجال جو یہ کہے کہ میں خدا ہوں اس سے ملتا جلتا ہوں۔

چنانچہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ایک بدخیال پیدا ہوگیا لوگوں نے یہ سمجھا کہ پھر انسان عین اللہ بن گیا یا خدا کا وجود مخلوق کا عین بن گیا۔ اس قسم کی لغو اور غلط اور فلسفیانہ بحثیں ہمارے درمیان آ گئی ہیں حالانکہ ایسا سمجھنا غلط ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی جو اصلی شکل ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کی ذات غیب الغیب اور وراء الوراء اور نہایت مخفی واقع ہوئی ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات غیب الغیب، وراء الوراء اور نہایت مخفی ہے ایسی مخفی کہ خالق اور مخلوق میں فرق کرنے کے لئے جتنے الفاظ بھی استعمال کرلئے جائیں کم ہیں بہر حال اسلام ہمیں یہ کہتا ہے کہ تم اس دھوکے میں نہ رہنا کہ چونکہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اس لئے انسان خدا بن گیا یا خدا انسان میں حلول کر گیا ہے۔ اس قسم کے غلط خیال بعض لوگوں نے اپنا لئے ہیں جو درحقیقت گمراہی کا نتیجہ ہیں۔

پھر ایک اور مسئلہ بیچ میں پیدا ہوگیا کہ جب خدا غیب الغیب ہے اور وراء الوراء اور نہایت مخفی ذات ہے تو ہماری عقل اور ہماری سمجھ تو اس کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتی پھر ہم اس کی معرفت کیسے حاصل کریں؟ تو خدا تعالیٰ نے ہمیں بتایا کہ وہ ہے تو وراء الوراء اور غیب الغیب اور نہایت مخفی، اتنا مخفی کہ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام:۱۰۴) تمہارے حواس اس کو حاصل نہیں کر سکتے تم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ تم اس کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے جب تک خود

خدا تعالیٰ اپنے موجود ہونے کو اپنے کلام سے ظاہر نہ کرے جیسا کہ اس نے اپنے کام سے ظاہر کیا ہے لیکن انسان کو چونکہ معرفت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس بُعد کو جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہمیں نظر آتا ہے، اپنے کلام یعنی مکالمہ ومخاطبہ سے پاٹا ہے اور پھر اس کے مکالمہ ومخاطبہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے آسمانی نشان ہیں اور وہ زندہ تجلیات ہیں جن کو اپنے بندوں کے حق میں ظاہر کرتا ہے اور پیش خبریاں ہیں جو اپنے بندوں کو وقت سے پہلے بتاتا ہے۔ تب انسان اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت کا ہاتھ اپنی زندگی میں دیکھتا ہے اور پھر یہ فاصلے جو خالق اور مخلوق کے درمیان واقع ہیں وہ معرفت الٰہی کے حصول کے لئے سکڑ جاتے ہیں اور انسان خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے:-

”بے شک وہ اب بھی ڈھونڈنے والوں کو الٰہی چشمہ سے مالا مال کرنے کو تیار ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اس کے بغیر نہ سچی توحید قائم ہوسکتی ہے اور نہ یقینی طور پر خدا تعالیٰ کی ہستی کا انسان قائل ہوسکتا ہے“۔

پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ مخلوق کے ساتھ شدید تعلق رکھنے کے باوجود یعنی ہر ایک جان کی جان، ہر ہستی کا سہارا اور ہر ہستی کو قائم رکھنے کے باوجود وہ الگ ہے۔ وہ اَلْحَیُّ اَلْقَیُّوْمُ ہے۔ اَلْحَیُّ کے معنے نیست سے ہست کرنے اور اَلْقَیُّوْمُ کے معنی اس کو قائم رکھنے والی ہستی کے ہوتے ہیں۔ وہ اَلْحَیُّ ہے انسان کو زندگی دیتا ہے۔ وہ اَلْقَیُّوْمُ ہے اس کی زندگی کو قائم رکھتا ہے اور اس میں ایک پہلو تو اللہ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا اس کی مخلوق سے۔ اَلْقَیُّوْمُ کی رو سے وہ سہارا بنتا ہے ہر ایک چیز کا، تب وہ قائم رہتی ہے لیکن اس تعلق کے باوجود وہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۱۲) بھی ہے اور اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (الاعراف:۵۵) بھی ہے۔ وہ سب سے برتر اور تمام مخلوق سے وراء الوراء بھی ہے اور تقدس کے مقام پر جلوہ گر ہے اور اس طرح الگ کا الگ بھی رہا، وہ انسان کے ساتھ مل بھی گیا۔ اس نے انسان کے ساتھ تعلق بھی قائم کیا۔ انسان نے اس کے پیار کی باتیں بھی سنیں۔ انسان نے اس کی قدرت کے زبردست ہاتھ کے کرشمے بھی دیکھے۔ گویا وہ دور ہونے کے باوجود

انسان کے قریب بھی آ گیا۔ انسان کیا ہے؟ خدا کی ایک عاجز مخلوق ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے عاجز بندے سے شدید تعلق بھی قائم کر لیا۔ وہ اپنے بندے کی جان کی جان بھی بن گیا اور اس کی ہستی کا سہارا بھی بن گیا۔ اس کے باوجود وہ الگ کا الگ بھی رہا اور مخلوق کے ساتھ مخلوط نہیں ہوا اور اس کائنات میں سب کچھ پیدا کر کے پھر بھی وہ مخلوق کا عین نہیں بلکہ وہ اپنی ذات میں اکیلا اور حقیقی تقدس اور توحید کے مقام پر جلوہ افروز ہے۔

غرض قرآن کریم نے ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہمیں بڑی واضح تعلیم دی ہے۔ اس کا ایک حصہ اس وقت میں نے مختصراً بیان کیا ہے لیکن جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے ہم آسانی کے ساتھ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق شرح و بسط کے ساتھ تعلیم دیتا ہے، اسلام کے سوا دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو خدا تعالیٰ کو تمام رذائل سے اور عیوب سے اور نقائص سے منزّہ بتاتا ہو اور اس کو تمام محامد کاملہ سے متصف بیان کرتا ہو۔ یہ شرف صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے خدا تعالیٰ کو ہر عیب اور نقص سے پاک اور ہر خوبی کا جامع قرار دیا ہے اور اسے ذات وصفات میں منفرد ثابت کیا ہے جب کہ دوسرے مذاہب نے خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سمجھنے میں بہت ٹھوکریں کھائی ہیں۔

برصغیر ہندو پاک میں ہندو بڑی کثرت سے رہتے ہیں انہوں نے خدا تعالیٰ کے تصور کے ساتھ اتنی زیادتی کی ہے کہ کوئی حد نہیں۔ کئی دیوتا بنا لئے اور دیوتا بناتے ہوئے شرک کے بڑے گند میں چلے گئے۔ عیسائی ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں انہوں نے تثلیث کا مسئلہ بنا لیا اور ایک عاجز انسان جو اپنی تمام کمزوریوں کے ساتھ اس دنیا میں پیدا ہوا تھا اسے انہوں نے خدا بنا لیا۔

پس تمام مذاہب کو اس بات میں ہمارا چیلنج ہے کہ اسلام سے باہر جتنے مذاہب ہیں وہ توحید حقیقی کی معرفت اور اس کے اظہار کے بارہ میں اسلام سے موازنہ کر دیکھیں انہیں ماننا پڑے گا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے اللہ کی ذات کو تمام عیوب اور نقائص اور کمزوریوں اور کوتاہیوں سے پاک اور منزّہ ثابت کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اور اسے تمام

صفات حسنہ سے متصف قرار دیا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق واضح تعلیم دی گئی ہے۔ یہی سچی تعلیم ہے، یہی ہماری ضرورتوں کو پورا کرتی ہے اور یہی وہ تعلیم ہے جو ہمیں گمراہیوں سے بچاتی ہے۔

بعض بے وقوف فلسفی یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ اپنی صفات میں اتنا کامل ہے تو کیا وہ اپنے جیسے اور خدا نہیں پیدا کرسکتا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے متعلق یوں سمجھنا چاہیئے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو کسی دوسرے کی طرف سے مخلوق نہیں بلکہ ازلی اور ابدی طور پر اپنی طرف سے آپ ہی ظہور پذیر ہے اور خدا ہونے کے یہی معنے ہیں کہ وہ ایسا ہو۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا خدا اپنی مثل بنانے پر قادر ہے یا نہیں تو اس کی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشریح کی ہے۔ ویسے یہ ایک موٹی بات ہے کہ اگر اللہ کو جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں اور ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہماری فطرت اور عقل تسلیم کرتی ہے ازلی ہونا چاہیئے یعنی ہمیشہ سے ہونا چاہیئے تو اگر اللہ اپنے جیسا کوئی اور بنالے تو وہ ازلی تو نہیں ہوگا اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ عقلاً وہ اپنے جیسا کوئی اور خدا نہیں بنا سکتا کیونکہ جس کو بھی وہ بنائے گا بقول معترضین وہ ازلی نہیں ہوسکتا۔ وہ تو پھر اس وقت سے ہوگا جس وقت سے خدا نے اسے بنایا ہے۔ اس مسئلہ میں تفصیل میں جائے بغیر ایک عام فہم دلیل ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسلام ایک فلسفہ نہیں ہے۔ اسلام بے مقصد حقائق کائنات بیان نہیں کرتا۔ اسلام کی تعلیم بڑی گہری تعلیم ہے اور بڑی وسعتیں رکھنے والی تعلیم ہے اور بڑی حسین تعلیم ہے اور بڑا حسن رکھنے والی تعلیم ہے اور بڑا احسان کرنے والی تعلیم ہے۔

پس اسلامی تعلیم جو حسن واحسان سے پُر اور حقائق و معارف پر مشتمل ہے، اس لئے دی گئی ہے کہ انسان اس سے فائدہ اٹھائے۔ دنیا میں کامیاب اور عاقبت میں سرخرو ہو۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنی ذات اور صفات کے متعلق قرآن عظیم میں جو کچھ ہمیں سکھایا ہے اور جو بھی تعلیم دی ہے وہ اس لئے دی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کریں، خدا کی عظمت اور جلال کے سایہ میں اپنی زندگیاں گزاریں اور ہر آن لرزاں وترساں رہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہیں کہ خدا تعالیٰ جو عظیم ہستی ہے۔ بڑی حسین ہستی ہے۔ بڑا پیار کرنے والی ہستی ہے۔ بڑی دیالو ہستی

ہے اور بہت بخشش کرنے والی ہستی ہے اس کے ساتھ ہمارا زندہ تعلق پیدا ہو جائے تا کہ جس مقصد کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے، وہ پورا ہو۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سے بے شمار نعماء کو پانے والے اور اس کی رحمتوں کے وارث بننے والے ہوں۔ آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱؍جولائی ۱۹۷۹ء صفحہ ۲ تا ۶)